انشائیہ

کل سے کل تک۔۔۔

از: ابوطالب ندوی

آج سے پرسوں تک کیوں نہیں؟ یہ بھی کوئی بات ہے کہ جس پر حجت کی جائے۔نہایت خوشی کی بات ہے کہ کل سے دلچسپی لینے والے کی کمی نہیں۔گزرے کل کی بات کرنے بیٹھئے تو انہماک کا عالم نہ پوچھئے۔ برعکس آنے والے کل سے اتنے ہی بیزار نظر آتے ہیں۔میں ایسے فعل وعمل سے باعزت بری ہوتا ہوں۔

ناظرین باتمکین!!

دن، ماہ وسال کا حصہ بنتا گیا۔زمانہ کے ساتھ زندگی اپنی برق رفتاری سے منقلب ہوتی گئی۔تغیّر ایسا ہوا کہ بچے سیدھے اور بوڑھے الٹے جوان ہوگئے۔خواتین اس سے مستثنیٰ ہیں۔وبائے عام میں صلائے خاص ہے مردوں کے لئے۔اس سے قطعی میرا مطلب عورتوں کوزک پہنچانا نہیں ہے۔مگر مردوں کی کامیابی کا سہرا زنان کو دینا ہے۔جیسا کہ مثل مشہور ہے کہ ہر مرد کی کامیابی کے پیچھے عورت کا ہاتھ ہے۔اس معاملہ میں میرا یقین اس اعضائے جسمانی سے بڑھ کر ذہنی وروحانی سے ہے۔یعنی عورتوں کا تصور ہی جوان؟ بنانے کے لئے کافی ہے۔وہ تو خود سراپا جوان ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔

ہے خیال حسن میں حسنِ عمل کا سا خیال

یہاں میرے مطلب کے سمجھنے میں احتیاط ضرور کریں۔ہو سکے تو سمجھنے کی کوشش ہی چھوڑ دیں۔بے تکا اور بکواس سمجھ کر نہیں؟ بلکہ سطح سوچ سے بالاتر جان کر۔

یاد رہے اس جوانی کو کسی بوڑھے کی ہوشیاری نہ سمجھا جائے اور نہ ہی ہمیشہ کی کامیابی۔ویسے یہ؟ کہیں سے بھی ہوشیاری ہے اور نہ؟ کامیابی۔یہ فقط عشق کی کرامت ہے۔بقول امام بخش ناسخ: دل ہی اس کا جانتا ہے جس پہ گزرا ہے یہ حال، عشق کا قصہ زبانوں سے بیاں ہوتا نہیں۔ٹھیک اسی طرح بچے کا بھی اس عمل میں کوئی دخل نہیں ہے۔یہ فطرت کی صناعی کا کمال اور مظہر ہے۔

اس کے علاوہ یہ بات کسی حد تک درست ہوسکتی ہے کہ حاجی، نمازی اور جا بیٹھ کسی غار میں اللہ کو کر یاد والے کی دعا و؟ مناجات "دن دگنی، رات چوگنی ترقی دے" کا اثر ظاہر ہوا ہو۔لیکن قرین قیاس شاعر کی صنف نازک کو یہ نصیحت معلوم ہوتی ہے۔کہ

اپنے کاندھے سے دوپٹہ نہ سرکنے دینا
ورنہ بوڑھے بھی جوانی کی دعا مانگیں گے

جس کوپیشین گوئی بھی مان لیں تو کوئی ہرج نہیں۔حقیقتاً یہ چمتکاری شاعر کا شعر کم اور پنڈت کا شراپ، فقیر اور مظلوم کی بدعا زیادہ لگتی ہے۔اس لئے

جھنجھلاہٹیں سوار ہیں ہر آدمی پہ آج

خوشیاں تو جیسے بار ہیں ہر آدمی پہ آج

اس" آج" سے ایک بات آتی ہے کہ دن کے الٹ پھیر سے ہی آج ہے۔آج یہ ؟انداز یہ غرور یہ مزاج، پھرتے تھے میر خوار ابھی کل کی بات ہے۔

جملہ معترضہ کے طور پر یہ بتادوں کہ بوڑھے کو جوان بنانے کا کمال رات کی سیاہی میں نہیں بلکہ دن کے اجالے میں رونما ہوا۔وہی دن جو سورج کی پہلی کرن سے شروع ہوکر خونیں وادی میں غوطہ ؟زنی سے پورا ہوتا ہے۔جس میں آنکھ سب کچھ دیکھتی ہے مگر لب پہ لا سکتے نہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اسی دن ؟ کا یہ کرشمہ ہے۔

بات چل رہی تھی آج یعنی دن کی۔ کہ ہمارے عرف میں مختلف اوقات پر مشتمل ۲۴/ گھنٹہ کا ایک دن ؟ ہوتا ہے۔ سائنس دانوں کا خیال ہے کہ ۱۲/ گھنٹہ کا دن اور ۱۲/ گھنٹہ کی رات ہوتی ہے۔اسی گردش لیل ونہار کا فیض ہے " آج"۔اسی سے کَل کا چشمہ جاری ہوا۔

اسی روز وشب میں الجھ کر نہ رہ جا

تیرے واسطے زمیں اور بھی ہیں آسماں اور بھی ہیں

یوں سمجھئے کہ خالق ارض وسما نے اسے دوخانوں میں تقسیم کرکے ایک کا نام "رات" رکھا تو دوسرے کا "دن" نام رکھا ہے۔دن ؟ کام کے لئے اور رات آرام کے لئے بنایا۔ہم انسانوں نے دوقدم بڑھا کر آج اور کل خلق کر لئے، اور خوب فائدے اٹھائے۔

بعض نکتہ وروں نے اس فرق کی وجہ یہ بتلائی ہے کہ ہمارے ذہن میں " آج" کا تصور ہوتا یا نہیں، اس کا پتا نہیں البتہ " کل" کا نہیں ہوتا۔میرا خیال ہے کہ تب یہ کل کل (پریشانی) بھی نہیں ہوتی، اور پل پل کا راج ہوتا۔معلوم ہوا رات ہی آج اور کل کے درمیان حد فاصل ہے۔

خلاصۃً تین لفظ–کل، آج اور کل کے درمیان زندگی محیط ہے۔

آج

۔۔۔۔۔۔۔۔۔

آج سے زندگی شروع ہوتی ہے۔اور آج کے دوش پہ پرواز کرتے ہوئے عمر حیات کی میعاد بسر کرتے ہیں۔سائنس دانوں کے قول کی تکذیب ہی نہیں بلکہ نظام عالم کو باطل کرنے پر آمادہ وتیار ہے۔کچھ اس طرح کہ آدھا دن لیلولہ کی

نذر اور آدھا دن قیلولہ کی بھینٹ چڑھا دیتے ہیں۔ رات رونے، کمانے اور گھومنے گویا لہو و لعب اور بدفعلی میں گزار دیتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں کہئے تو کچھ ؟ لوگ تو ہر رات کو " شب زفاف " کی طرح بسر کرتے ہیں۔ سحر ہوتی ہے تب سوتے ہیں۔

دن اک ستم، اک ستم رات کرو ہو
تم ظلم کرو ہو کہ ظلمات کرو ہو

بعض نادان ذی وقار نے رات کو دن اور دن کو رات سمجھنے سمجھانے کی کوشش بھی کر لی ہے۔ لیکن سمجھتے سمجھتے اب جب بہت دیر ہو گئی تو اختلاط روز و شب پر اکتفا کیا۔ پتا چلا، یہاں کام و دہن کی آزمائش ہے۔

حد درجہ سنجیدگی سے یہ نکتہ سمجھ میں آیا کہ خدا بیزار نہیں ہے۔ کائنات کے مالک کے ایما پر دن اور رات کا نظام قائم و دائم ہے۔ ازل سے ابد کی طرف بہے جا رہا ہے۔ اگر زمین کے بن بیٹھے خدا کے اختیار میں ہوتا تو کب کا بدل چکا ہوتا۔ کام و عمل کی رفتار سے شب و روز کے حساب کو بدلنے پر تلے ہوئے ہیں۔ ہم دونوں میں ہے بس اسی بات کی تکرار، وہ ؟ دن کہے ہیں، یہیں رات لگے ہے

اپنے کو غفلت سے ہوشیار کرنے کے لئے " کل " کا انتظار نہ ؟ کریں۔ کل کس نے دیکھا ہے۔ کل کبھی آیا تھا نہ آئے گا۔ جو ہے، صرف آج ہے۔

آج ہوتی ہے، صرف آج رہتی ہے
عمر یوں ہی سب کی تمام ہوتی ہے

کل (گذشتہ کل)

کل ایک ذو معنی لفظ ہے۔ جہاں ماضی سے رشتہ اور مستقبل سے امید وابستہ ہوتی ہے۔ کل میرا ماضی ہے تو کل میرا کامل بھی ہے۔ میرا ماضی میرے سنہرے کل کی نوید ہے۔ ماضی زندگی کا جزء لا ینفک ہے۔ ہر کوئی اپنے کل میں گم ہے۔ کل بڑا پر پیچ اور عقدہ ؟ لا ینحل ہے۔ مگر میں اپنے کل سے وابستہ بھی ہوں کیوں کہ اسے ہی گزار کر حیات کا حصہ بنا دیا ہے۔ امید تو اس کل کو، بسر کرنے کی طمع، دل میں چھپائے پھر رہے ہیں۔

زندگی کا ہر حصہ یادوں کا لمحہ اور باتوں کا قصہ بن جاتا ہے۔ زبان کا بیان، سوچ کا نغمہ اور دل کے تاروں پہ بجنے والا

گانا بن جاتا ہے۔کل سے سبق آموز عبرت لیتے ہیں اور آج کو سنوارتے ہیں۔ سماج میں اپنی مستحکم جگہ بناتے ہیں۔ ورنہ آنے والے کل کا کیا بھروسہ؟ کل رہیں یا نہ رہیں۔فکر فردا میں سر کھپاتا ہوں۔فکر امروز کا خیال نہیں۔اسی کل میں ہزاروں گم ہو گئے۔تاریخ میں قصہ بن کر مؤرخ کی نوک زبان رہتے ہیں۔ایسے ادھورے خواب دیکھنا اچھی بات نہیں۔لاکھوں غافل رہے۔ایسی جوش بدمستی اور شوق گستاخی میری عادت نہیں۔

تم ہی سوچو! بھلا یہ شوق کوئی شوق ہوا
آج اونچائی بیٹھو کل اتارے جاؤ

ہم ہیں کہ کل سے سیکھ کر کل کو ٹھیک کرنے کی کوشش کرتے ہیں، جب کہ آج کا خیال نہیں۔آج ہے تو کل کا بھی تصور ہے البتہ بے حقیقت کل، خواب ہے دیوانے کا۔

فکر کل میں سر کھپاتا ہوں
میں کہاں، اور یہ ?وبال کہاں

کل (آئندہ کل)

ایک طرف کل ہے تو دوسری طرف بھی وہی کل ہے۔نکلتا ہوں کل سے الجھتا ہوں کل میں۔ یہ کام کر لیتا ہوں آج میں۔آپ بھی سمجھ جایئے ورنہ کبھی تو ہوش آنا ہے۔کہ
کل دھوکے کا گھر، فریب کا آلہ، مکری کا جالا ہے۔ بے ایمان کا ایمان کامل، عہد شکن کا گھروندہ ہے اور توبہ شکن کا اوزار ہے۔اس کڑوے سچ کے سوا بھی کچھ جھوٹ میرا کل ہے۔کل کے بغیر میرا آج نہیں تو آج کے بغیر میرے کل کی کوئی حیثیت نہیں۔میرا ایک کل سنہرا تھا۔میرا ایک کل سنہرا آئے گا۔کل میں میرا حسین سرمایہ مدفون ہے۔ایک کل میں میرا خواب مکنون ہے۔(پوشیدہ) ایک کل میں، میں زندہ سلامت تھا۔ایک کل میں نام زندہ اور میں مردہ رہ جاؤں گا۔

موت سے کس کو رستگاری ہے
آج وہ کل ہماری باری ہے

آج جانے سے پہلے کل اور کل آنے سے پہلے آج ہے۔ یا یوں کہئے کہ کل آنے سے پہلے آج اور آج سے پہلے کل تھا۔ کل (چین) نہیں پڑتا کسی پہلو مجھے۔ آج کو ہم سب نے فراموش کر دیا۔ اس لئے اسے یاد رکھنا ضروری ہے کہ کسی مرد درویش نے کہا: جو تمھارے پاس ہے، وہی تمھارا ہے۔

میرے پاس میرا آج ہے۔ اور پوری طرح محفوظ میرا گزرا کل بھی ہے۔ شاعر نے کہا ہے

آدمی کل سے نجات پائے کیوں؟؟؟؟

نجات ممکن نہیں ہے تو؟ نہ سہی! غم تو اس کا ہے کہ

کل تو کل وہ آج بھی نہ رہا
شور سودائے خط و خال کہاں

اور اس طنز و تعریض کا دکھ بھی:

آج کیوں پروا نہیں اپنے اسیروں کی تجھے
کل تلک تیرا بھی دل مہر و وفا کا باب تھا

بہر حال انسان کل سے کل تک میں جینے کا عادی ہو چکا ہے۔ جس کل کی ابتدا معلوم نہ انتہا معلوم ہے۔ لیکن آج سے کسی صورت مفر نہیں۔

آج بدل سکتے ہیں تو کل بھی بدل سکتے ہیں
دل بدل سکتے ہیں تو ہر بات بدل سکتے ہیں

واقعہ یہ ہے کہ کل ایک پرفریب نعرہ ہے۔ (میرے ایک دوست نے سنایا ہے تحقیق کے لئے رابطہ میرے دوست سے ہی کریں۔ یہ کام آپ بعد میں ہی کریں، ابھی سن لیں) ایک مرتبہ کسی شہر میں نیا ریسٹورینٹ کھلا۔ عالیشان اور دیدہ زیب بلڈنگ میں لذیذ ڈشیز کا انتظام واہتمام کیا۔ لیکن منافع صفر------- وجہ جو بھی ہو۔ اصل بات یہ ہے کہ باہر سے دیکھنے والوں کے لئے کشش کا باعث نہیں تھا۔ اسے اونچی دکان پھیکی پکوان بھی نہیں کہہ سکتے۔

ہوٹل کا مالک لگاتار گھاٹے میں جانے لگا۔قرض کے بوجھ سے بوجھل ہو رہا تھا۔قرض دار سے وعدہ کرتا کہ کل ادا کر دے گا۔عہد شکنی سے شرمندگی ہوتی لیکن اسے بھی یہ معلوم تھا کہ

وہ وعدہ کا یوں اعتبار کھوتا ہے
جو آج کو کل پہ ?ڈال آتا ہے
کب نیا بہانہ بنا کے پیش کرتا ہے
جب فیصلہ آج کو کل پہ ٹال دیتا ہے

قرض دار روزانہ گنگناتا رہتا کہ

تکتا ہوں در و ?بام، دیکھتا ہوں راہ بھی
منتظر ہوں? ہر پل کہ ہو? نہ آج سے کل
بیٹھا ہوں کب سے کل کے انتظار میں
قرضہ اتارنے کو آیا نہیں، وہ? آج بھی

ایک دن سر جھکائے بازار جا رہا تھا، تاجرانہ خیال میں مستغرق تھا۔اچانک ایک سائن بورڈ بنوانے کا خیال آیا۔اس کے لئے صلاح مشورے کے بعد ایک تحریر لکھا۔ہوٹل کی پیشانی پر آویزاں کر دیا۔اس پہ یہ لکھا تھا:

" آج نقد، کل ادھار، پرسوں فری۔شہر کا واحد ہوٹل آپ کی خدمت کے لئے یہ اسکیم لے کر حاضر ہوا۔اپنی خدمت کا موقع ضرور دیں۔تشریف لائیے۔----------"

اس اسکیم کی شہرت دور دور تک پھیل گئی۔امرا و روسا متوجہ ہوئے۔لالچ میں گیدڑ مارا جاتا ہے۔لالچی گیدڑوں نے پہلے دن کم کھایا۔لوگ آتے پکوان کی تعریف کرتے، کھاتے، پیسے دیتے اور بھول جاتے۔مگر ادھار باقی کھانے والوں کے بھاگ کھل گئے تھے۔اس اسکیم سے فائدہ اٹھانے میں کیسے پیچھے رہ? جاتے۔ایک نامعلوم شخص (ایک زمانہ ہو جانے کی وجہ سے نام ذہن کی گرفت سے نکل گیا۔)ایک دو دن بھوکے رہنے کے بعد بیوی بچوں کے ساتھ ہوٹل پہنچا اور بیوی سے سائن بورڈ پڑھوایا۔شاہانہ انداز میں اندر داخل ہو کر کرسی ٹیبل پر جم کر بیٹھا۔اور قسم قسم کے

لذیذ کھانے منگا کر کھایا۔ جب سیری ہوگئی تو کہا: بھیا آج اُدھار کی باری تھی۔
ہوٹل والے نے بنظرِ استعجاب دیکھ کر کہا: نہیں تو!۔۔۔۔۔۔۔۔۔آج تو نقد ہے۔
دونوں میں تھوڑی دیر بعد تو تو، میں میں شروع ہوگئی۔
دونوں؟ میں ہے بس اسی بات کی تکرار
وہ کل کہے ہیں، یہاں نقد لگے ہے

مالک ہوٹل نے کہا۔ اورئیسِ فقیر! آپ اچھے بھلے انسان، پڑھے لکھے لگتے ہیں۔ شریفوں صورت بنا کر حجت کرنا عمل عبث ہے۔ بورڈ پڑھیے، عقل کے کورے مت بنئے۔ پڑھ لیا ہے تو ایک بار پھر پڑھیے۔ بل ادا کیجئے اور گھر کی راہ لیجئے۔
ادھار کھانے کے ارادے سے آئے ہوئے سبھی لوگوں نے تکرار سنی۔ بعدہٗ اپنے اوپر کھسیانی ہنسی ہنستے ہوئے یہ گنگنانا شروع کردیا کہ

تیرے جملے کا ہے یہ دھوکا کہ آج تک
بے اختیار دوڑے ہے گل در قفائے گل

ایک طرف نغمہ، دوسری طرف تکرار، ایک طرف نقد، دوسری طرف ادھار کی عالمی جنگ چھڑ گئی تھی۔ ہوتے ہوتے بات عدالت تک جا پہنچی۔ رئیس فقیر کل کے جال میں ایسا پھنسا کہ اس کی ساری امیدوں پر پانی پھر گیا۔ اور کل اس کی زندگی میں کبھی پلٹ کر نہ آیا۔ " کل کیا ہے کچھ نہیں۔ کل کبھی کسی نے دیکھا نہیں، جانا نہیں۔۔۔۔۔۔۔۔
کورٹ میں اس منطقی مسکت جواب نے ہمیشہ کے لئے ناطقہ بند کردیا۔ اسی لئے غالب نے اپنا طریقہ یہ رکھا

کل کے لئے کر، آج نہ خست شراب میں
یہ سوءِ ظن ؟ ساقی کوثر کے باب میں
ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند
گستاخی فرشتہ ہماری جناب میں

یہیں پر بس نہیں بلکہ سماجی کل کے معنوی تصور سے روح لرز جاتی ہے۔کوئی بھی عمل ہوتکیہ کلام آج اورکل بنا ہوا ہے۔ مثلا

آج کل کہاں ہیں؟

آج کل کیا کرتے ہیں؟

اج کل دل نہیں لگتا۔

وغیرہ؟ وغیرہ۔۔؟؟۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

ہمارے شاعروں اور ادیبوں کو بھی برداشت نہیں ہوا۔انھوں نے اپنی تخلیق شائع کرنے کے لئے رسالے کا ہی نام " آج کل " رکھ دیا۔عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالب ۔کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے

عوام الناس پر تو اس کا کچھ زیادہ اثر ہوا، وہ ہر بات پہ کل کی بات کرتے ہیں۔ وعدہ کل سے کبھی آج پر نہیں آتا۔شاید انھوں نے یہ؟ مقولہ اپنے دل کی تختی پر لکھوالیا۔" کل سے آج اور آج سے کل بہتر ہو۔" آج جتنا خوب صورت ہوگا کل بھی اتنا ہی یا اس زیادہ حسین رہا ہوگا۔مردہ دل کا نہ آج بہتر ہوتا ہے نہ کل خوب صورت ہوتا ہے۔نہ ہوگا۔ کل سے کل تک کا حال لکھنے سے اب تک گھبراتا رہا۔کہیں یہ میری تحریر کسی چال کا نتیجہ سمجھ لیا جائے اور اچھی تحریر و تخلیق پڑھنے کی خواہش کو احمقوں کی زبانی پرستش قرار دیا جائے اور نجات کا ذریعہ بن جائے۔طبع آزاد کبھی اس کا خوگر نہیں رہا۔

اب جب کہ کر دیا ہے غیب بیں چشمِ تصور نے مجھے

مکتب و مدرسہ کا وہ زمانہ جب کہ اپنا بچپنا تھا۔پڑھنا تھا نہ پڑھانا تھا۔صرف عیش و مستی کا زمانہ تھا۔آج سے پہلے ایسا تھا، لیکن تھا تو وہ میرا کل، کل کا عرصہ دراز ہے۔اس میں کھیل کود، پڑھائی لکھائی، دھینگا مستی غرض سب کچھ ہے۔ اتنا کچھ ہے بقول شاعر

کل گئے گزرے زمانے کا خیال آئے گا
آج اتنا بھی نہ راتوں کو منور رکھنا

اس سب کے باوجود اسے بھول جانے کو جی چاہتا ہے مگر بھولنا تو ہے غیر ممکن۔۔۔۔۔۔۔کیوں کہ روزانہ؟ کلاس میں استاد کو یہ کہنا پڑتا تھا کہ کل سبق سنا دیں گے۔ان کے سوال کے جواب میرا جواب تھا۔پھر سوال ہوتا تھا کہ آج کیوں نہیں کہ کل؟ تو ہر اک بات پہ کہتا ہے کہ کل، تمھیں کہو کہ یہ کل کیا ہے۔میرے پاس کہنے کو کچھ نہیں، سوائے اس

کے کہ کل سنادیں گے/کام پورا کرلیں گے۔

استاد کی ڈانٹ اور پھر شفقت بھرے جملے کانوں میں یوں رقص کرنے لگتے۔

"آج کا کام کل پر نہ ٹال۔"

اور کسی ہندی شاعر کے دوہے آج تک استاد کی آواز میں آتی ہے۔

کال کرے سو آج کر، آج کرے سو اب
پل میں پرلے ہوئے گی بہوری کروگے کب